© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حافظ انس نضر[1]

فراہی نظم قرآن اور جمہور مفسرین
(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

ABSTRACT

Mawlana Hameed ud Deen Farahi was one of the reputable scholars of twentieth century. He had his own school of thought with respect to understanding and exegesis of Quran. Among the collection of his ideas, the Quranic coherence is also part of it, though historically its basis are found in the near past as well as it is manifested by the endeavors of the scholars. However, Mawlana Farahi had his own status among them. His idea of Quranic coherence is based upon several additions in which he considers the concept of Quranic Wisdom to be somewhat alike Quranic Coherence. Among *Salaf* the Quranic coherence held a supplementary position merely but in the view of Mawlana Farahi it is a fundamental principle, as an outcome of which, in several places of His Quranic exegesis we find some what exaggeration in this regard. Previously, the idea of Quranic Coherence was restricted to the construction of connection in few of the verses of Quran, but Mawlana presented the complete Quran as the idea of individual whole with respect to coherence in this regard. The following article presents the analytical view of the same aspect.

1 اسسٹنٹ پروفیسر، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1930ء) کے ہاں قرآنِ مجید کو سمجھنے اور صحیح تاویل کی تعیین میں نظمِ قرآن کو اوّلین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بعض علما نے اس کے لیے علمِ مناسبت کی تعبیر اختیار کی اور بعض نے ربط کا نام دیا۔ دورِ اوّل کے مفسرین اور ادباء کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح اگرچہ بنفسِ نفیس کوئی نئی نہیں۔ اولین مفسرین کے ہاں اس کا استعمال ضرور موجود تھا تاہم ان کے نزدیک نظم اور مناسبت کی اصطلاحات ہم معنیٰ تھیں۔

قرآن کریم علوم و معارف کا بحر بیکراں اور علم و حکمت کا ایک خزانہ ہے، جس کے موتی کبھی شمار نہیں کیے جا سکتے۔ اربابِ مسلم صدیوں سے قرآن حکیم میں غور و فکر کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں بے شمار نکات و لطائف منصۂ شہود پر آئے ہیں، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ قرآنی نکات و دقائق کا ایک اہم گوشہ 'نظم و مناسبت' بھی ہے۔ ماہرین علوم قرآن نے اس کو بھی مرکز التفات ٹھہرایا ہے اور اپنے نتائج فکر پیش کیے ہیں۔ لیکن اس کی طرف انتہائی توجہ گزشتہ صدی کے ایک جید عالم دین مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نظر آتی ہے۔ چناں چہ درج ذیل سطور میں ہم مولانا کے تصور نظمِ قرآنی کا ایک تجزیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اسی حوالے سے بحث کی جا رہی ہے۔

نظمِ قرآن کا آغاز وارتقا

بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نظمِ قرآنی کا جو تصور مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نظر آتا ہے وہ سابقہ علمی روایت سے منفرد اور جداگانہ ہے۔ لیکن اس تصور کی اپنی تمام تر مقتضیات اور لوازمات کے ساتھ از سرِ نو دریافت کو مولانا فراہی کی طرف منسوب کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قبل ازیں علما و مفسرین اس حوالے سے کافی کچھ لکھ چکے ہیں۔ تاہم یہ بات معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے نظم و ربط کے سلسلہ میں سب سے پہلے کس صاحب علم نے گفتگو فرمائی، البتہ متقدمین میں سے جن اصحاب نے اس سلسلہ میں کلام کیا ہے، ان میں سے امام ابن قتیبہ (متوفی 276ھ)، ابوالحسن علی بن عیسیٰ رمانی معتزلی (متوفی 383ھ)، قاضی عبدالجبار اسد آبادی معتزلی (متوفی 415ھ)، امام خطابی (متوفی 388ھ)، ابن جعفر باقلانی اشعری (متوفی 403ھ)، عبدالقاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہم (متوفی 471ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔

ابن قتیبہ نے "تأویل مشكل القرآن" میں، رمانی نے "النكت في إعجاز القرآن" میں، قاضی عبدالجبار نے "المغني في أبواب التوحيد والعدل" کی سولہویں جلد میں، خطابی نے "البيان في إعجاز القرآن" میں باقلانی نے "إعجاز القرآن" میں اور جرجانی نے "دلائل الاعجاز" میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان اصحاب علم نے نہ صرف یہ کہ اپنی تصنیفات میں نظم قرآن (نظم کلام) کی اصطلاح استعمال کی، بلکہ نظم کلام کو قرآن مجید کے اعجاز کا محل بھی قرار دیا، لیکن ان کے ہاں نظم کلام سے وہ مفہوم مراد نہیں تھا جسے مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فراہیؒ و اصلاحیؒ نے متعارف کروایا ہے، بلکہ ان کے ہاں نظم قرآن سے مراد یہ تھا کہ قرآن مجید کے محض الفاظ و کلمات ہی معجزانہ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ فقط ان کے معانی کا یہ حال ہے، کیونکہ یہی الفاظ و معانی تو عربوں کے ہاں بھی مروج تھے، بلکہ ان الفاظ و معانی کی ترکیب سے جو کلام قرآنی آیات اور قرآنی جملوں کی شکل میں نازل ہوتا تھا، وہ معجزہ تھا اور اس جیسی ترکیب پر مبنی ایک سورت بھی پیش کرنے سے کفار عاجز آ گئے تھے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ اسی پس منظر میں فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نظم عمدہ الفاظ فصیح اور معانی حسین ہیں۔ اس نے توحید کی تعلیم دی، شرک سے اجتناب کی تلقین کی، اطاعت الٰہی پر ابھارا اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے ضابطے بتائے، وعظ و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول واضح کیے اور ان ساری تعلیمات کو نظم کی لڑی میں اس طرح منسلک کر دیا کہ ذرا سا دھاگا ٹوٹا اور سارے موتی منتشر ہو گئے۔"[1]

یہی بات قاضی عبد الجبار معتزلی اس طرح پیش کرتے ہیں:

"یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ فصاحت مفرد کلمات میں نہیں ہوتی، بلکہ ایک مخصوص طریقہ کو اختیار کر کے کلام میں نظم و ارتباط پیدا کرنے سے فصاحت پیدا ہوتی ہے۔ نظم و تالیف کے ساتھ ہر لفظ کی ایک صفت ہونی چاہئے۔ یہ صفت بسا اوقات نظم و ترکیب سے اپنا مقام بناتی ہے اور کبھی اعراب کے ذریعہ اور کبھی موقع و محل سے امتیاز حاصل کر لیتی ہے۔ ان تینوں کے علاوہ کوئی چوتھی شکل نہیں ہے۔"[2]

نظم قرآنی کے سابقہ تصور میں وسعت

نظم کی اصطلاح متقدمین علمائے بلاغت کے ہاں جس معنٰی و مفہوم میں مستعمل تھی، اس میں توسیع سب سے پہلے علامہ زمخشری معتزلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 538ھ) نے کی۔ انہوں نے بھی اسی بات کا اظہار کیا کہ قرآن مجید اپنے جملوں کی ترکیب و تنظیم کے حسن بلاغت کی وجہ سے معجزہ ہے اور اس کے مقابلہ کا بلیغ جملہ پیش کرنے سے مخلوق عاجز ہے۔

علامہ موصوف سورہ نساء کی آیت نمبر 166 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ نے قرآن کو اپنے اس علم خاص کے ساتھ نازل کیا ہے جس سے کوئی واقف نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی ترتیب و تنظیم ایسے اسلوب اور نظم کے مطابق ہے جو ہر صاحب بلاغت اور صاحب بیان کے بس سے باہر

1 الخطابي، أبوسليمان، حمد بن محمد بن إبراهيم، بيان إعجاز القرآن:ص27، مطبوع ضمن ثلاث رسائل في إعجاز القرآن، دارالمعارف، مصر، الطبعة الثالثة، 1976ء

2 ابن قدامة، أبو محمد عبد الله بن قدامة المقدسي، المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني، أبواب التوحيد والعدل:ص12 – 19، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، 1405ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اور قرآن کی صحت اور صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر کسی کی طاقت سے بلند ہے۔"[1]

زمخشری نے نظم قرآن کی اصطلاح کو مزید وسعت دیتے ہوئے مختلف آیات کا باہمی نظم و ربط تلاش کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کوشش کی اس کے چند نمونے سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ سورہ اعراف میں حضرت آدم و ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کا اختتام اس آیت پر ہوا ہے:

﴿قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝﴾[2]

"اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے۔ اور فرمایا: وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخرِ کار نکالا جائے گا۔"

اس کے فوراً بعد یہ آیت ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ۭ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾[3]

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصّوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو، اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔"

اس آیت کا ما قبل سے بظاہر کوئی تعلق نہیں نظر آتا، مگر امام زمخشری رحمہ اللہ ان میں نظم ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ آیت سیاق کلام سے منقطع ہو کر "علی سبیل الاستطراد" آگئی ہے۔ اس سے پہلے کے واقعہ میں آدم و حواء کا تذکرہ تھا اور کہا گیا تھا کہ آدم و حواء کے ستر کھل گئے اور وہ اپنے جسم کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ یہاں لباس کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا اظہار کر رہا ہے اور اس بات سے باخبر کر رہا ہے کہ ننگا پن اور عریانیت باعث رسوائی ہے اور ستر پوشی تقویٰ کا عظیم باب ہے۔"[4]

نظم قرآن کے بارے میں آیات کی باہمی مناسبت پر جو گفتگو علامہ زمخشری کے ہاں ملتی ہے، وہی فخر الدین

---

1 الزمخشري، محمود بن عمر، الكشّاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل: 2/ 259، دار إحياء التراث العربي، بيروت

2 الاعراف 7: 24-25

3 الاعراف 7: 26

4 الكشاف: 2/ 76

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی606ھ) کے ہاں بھی ملتی ہے، لیکن زمخشری کی طرح رازی نے بھی متفرق طور پر کہیں کہیں اس پر بحث کی ہے، پھر ان کے بعد امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی885ھ) نے بھی اس طرف اپنی عنان توجہ منعطف کی اور "نظم الدرر في تناسب الآيات والسور" نامی اپنی تفسیر میں نظم قرآن پر کافی کام کیا۔ اسی طرح شیخ مخدوم علی مہائمی (متوفی835ھ)، امام سیوطی (متوفی911ھ)، محی الدین ابن عربی صوفی (متوفی638ھ)، علامہ ابو جعفر ابن الزبیر (متوفی708ھ) اور ابوالحسن الضرانی رحمۃ اللہ علیہم (متوفی637ھ) نے بھی نظم و مناسبت کی رعایت سے تفسیریں لکھیں۔

نظم قرآنی کا فراہی مفہوم

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نظم کا کیا مفہوم ہے، ملاحظہ کیجئے:

"وبالجملة فمُرادنا بالنّظام أن تكون السّورة كاملًا واحدًا، ثم تكون ذات مناسبة بالسّورة السّابقة واللّاحقة، أو بالتي قبلها أو بعدها على بعد ما، كما قدمّنا في نظم الآيات بعضها مع بعض، فكما أن الآيات ربما تكون معترضة، فكذلك ربما تكون السّور معترضة. وعلى هذا الأصل ترى القرآن كلّه كلاما واحدا، ذا مناسبة وترتيب في أجزائه من الأوّل إلى الآخر. فتبيّن مما قدّمنا أن النّظام شيء زائد على المناسبة وترتيب الأجزاء." [1]

"نظم سے ہماری مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی مناسبت ہے، جس کے معلوم ہونے پر پوری سورت ایک وحدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخص ہو کر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال، ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے۔ نظم محض ایک سورت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورت کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ بھی معلوم ہو جائے جو اس کے ساتھ متصل ہیں۔ اگر ان کے ساتھ اس کی مناسبت واضح نہ ہو تو ان سورتوں کے ساتھ اس کا تعلق معلوم ہو جائے جو اس سے پہلے یا بعد میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس طرح بعض آیات جملہ معترضہ کے طور پر کلام میں آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی معترضہ سورتیں بن کر آئی ہوں۔ نظم معلوم ہو جانے کے بعد اول سے آخر تک پورا قرآن مناسبت و ترتیب رکھنے والا اور کامل وحدت سے متصف نظر آئے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نظم محض مناسبت یا محض ترتیب اجزاء سے زائد ایک چیز ہے۔"

گویا مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نظم آیات کو سمجھنے کا پیمانہ یہ نہیں ہے کہ دو آیتوں یا دو مضامین کے اندر کسی

---

1 الفراهي، حميد الدين أبو أحمد عبد الحميد الأنصاري، دلائل النظام: ص75، الدائرة الحميدية، مدرسة الإصلاح، سرائي مير، أعظم كره، 1388هـ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسم کا تعلق تلاش کر لیا جائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس پوری سورت کا کوئی ایک مرکزی مضمون یا کوئی ایک مرکزی نقطہ متعین کیا جائے اور پھر سورت کے تمام مضامین میں اس طرح سے ربط قائم کیا جائے کہ ان تمام مضامین کا رُخ اس ایک مرکزی مضمون کی طرف ہو جائے۔ گویا پوری سورت میں کثرتِ مضامین کے باوجود وحدت کی شان نمایاں ہو جائے اور وہ سورت اپنے کامل تشخص کے ساتھ سامنے آجائے۔

مولانا کے نزدیک کسی بھی چیز کا حسن اس کے نظم میں مضمر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگر تمہیں ہمارے اس بیان پر اب بھی شک ہو یا تم مزید اطمینان یا وضاحت چاہو تو ایک فصیح و بلیغ خطبہ لو جس میں ترغیب و ترہیب کے مضامین ہوں، حکمت ہو، امثال ہوں، حجت و استدلال ہو۔ اب اس خطبہ کا نظام درہم برہم کر دو اور جملوں کو مطالب کی رعایت کیے بغیر آگے پیچھے کر دو۔ اب دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ اس دعویٰ و دلیل کا تعلق اس کے مقدمات سے مقاصد تک تدریج، ضروری مقامات پر وضاحت، اس کا حسن بیان، کمالِ بلاغت، اس کے مطالب، فوائد، اصل شبہات اور تاریخی، اخلاقی اور حکیمانہ مہارت کا بیان کس طرح ناپید ہو جاتا ہے۔ نظام ختم ہونے پر اس حکیمانہ خطبہ کی حیثیت ہذیان کی سی ہو جاتی ہے۔"[1]

مناسبت اور نظام میں فرق

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مناسبت اور نظام میں فرق ہے۔ مناسبت کا تعلق بعض آیات یا بعض سورتوں کے باہمی ربط سے ہے۔ جبکہ نظام سے مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی مناسبت ہے، جس کے معلوم ہونے پر پوری سورت ایک وحدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخص ہو کر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال، ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے۔ نظام محض ایک سورت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورت کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ بھی معلوم ہو جائے جو اس کے ساتھ متصل ہیں۔ اس طرح گویا تناسب، علم نظام کا ایک جزو ہے۔ آیات کے اندر اگر تناسب معلوم ہو بھی جائے تو اس سے پورے کلام پر وہ روشنی نہیں پڑتی جو اسے معنوی وحدت کے رشتہ میں پِرو کر اس کو ایک مستقل کلام کی حیثیت دے سکے۔

تناسب کا طلب گار عموماً اس مناسبت کو تلاش کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتا بلکہ مجرّد مناسبت پر خواہ وہ کسی قسم کی ہو، قناعت کر لیتا ہے۔ دوسرے اس رشتہ کو ہاتھ سے چھوڑ دینے کا اکثر نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قاری ہر آیت میں کھینچ تان کر ایک مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی مناسبت قائم بھی کر دیتا ہے، حالانکہ سرے سے ان قریبی آیات میں کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ نظم کلام کے مطابق پاس والی آیت اس آیت سے متصل

1 دلائل النظام: ص 20

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے جو اس کی قبل والی آیت سے بہت دور واقع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے بعض ذہین علما اس طرح کی آیتوں میں جب کوئی معقول اور مناسب تناسب نہ پا سکے تو انہوں نے تناسب ہی کا انکار کر دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح کی آیات قرآن میں بہت ہیں جو اپنے پاس والی آیت سے ربط نہیں رکھتیں اور عموماً اس طرح کی مشکلات سے انہی مقامات پر سابقہ پیش آتا ہے جہاں کوئی آیت یا آیتوں کا مجموعہ اپنے پاس والی آیت سے بہت دور کسی دوسری آیت سے متعلق ہوتا ہے۔[1]

مکمل قرآن کریم کا نظم

قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کے داخلی وخارجی نظم کے متعلق مذکورہ بالا اہل علم کے ہاں اگرچہ کافی بحثیں ملتی ہیں، لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ پورا قرآن بھی ایک ایسی وحدت ترتیب اور تنظیم رکھتا ہے جو اسے شروع سے آخر تک ایک کتاب کی طرح منضبط کلام کی شکل مہیا کرتی ہے۔

متاخرین میں سے جن اہل علم نے پورے قرآن مجید کو مربوط و منظم کتاب کی طرح ایک وحدت دینے کی کوشش کی ہے، ان میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے نمایاں ہے۔ انہوں نے اس کے لئے نظم قرآن اور نظام قرآن کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ انہوں نے نظم قرآن کے سابقہ تصورات کو وسعت دیتے ہوئے ایک نیا نظریہ اور فلسفہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "بعض علمانے آیات اور سورتوں کی باہمی مناسبت کے باب میں کئی تصانیف چھوڑی ہیں، لیکن نظم قرآن کے باب میں خاص کوئی تصنیف میرے علم میں نہیں آئی۔ میرے نزدیک نظام اور مناسبت میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مناسبت نظام کا محض ایک حصہ ہوتی ہے۔"[2]

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم قرآن کا جو فلسفہ متعارف کروایا ہے اسکی رو سے سورہ فاتحہ اس آسمانی کتاب کا دیباچہ، معوذتین خاتمہ اور درمیانی سورتیں مختلف ابواب ہیں۔ ان ابواب کے الگ الگ مرکزی مضمون (عنوان) ہیں اور ہر سورت اپنے باب کی ایک فصل کی حیثیت رکھتی ہے اور فصل کا بھی ایک مرکزی عنوان ہے جو اپنے باب کے مرکزی عنوان کے ساتھ ربط رکھتا ہے۔ یوں پورا قرآن ایک کتابی و تصنیفی ربط کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فلسفہ ان کی معروف تصنیف دلائل النظام میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور اس میں انہوں قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ہر سورت کا مرکزی موضوع (عمود) اور پھر ان کے ابواب کا مرکزی موضوع بھی متعین کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس فلسفہ و نظریہ کو عملی شکل دیتے ہوئے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تفسیر بھی اسی نہج پر کی ہے، مگر وہ پورے قرآن کی تفسیر نہ کر پائے۔ البتہ ان کے بعد ان کے

---

1 دلائل النظام: ص 74

2 ایضاً: ص 74

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاگرد رشید جناب امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1997ء) نے اسی فلسفہ کی آبیاری کرتے ہوئے 9 جلدوں پر مشتمل 'تدبر قرآن' کے نام سے پورے قرآن مجید کی ضخیم تفسیر لکھی اور اپنی خداداد عقل و بصیرت سے ان تمام مباحث پر بھی قلم اٹھایا جنھیں ان کے استاذ فراہی نے تشنہ چھوڑ دیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض مقامات پر اپنے استاد سے اختلاف بھی کیا ہے۔

نظم کی ضرورت وافادیت

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کو نظم قرآن پر قلم اُٹھانے کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟ انہوں نے اس تصور کو اس قدر اہمیت کیوں دی؟ اس حوالے سے وہ رقم طراز ہیں:

"إني رأيت جلّ اختلاف الآراء في التأويل من عدم التزام رباط الآيات، فإنه لو ظهر النّظام واستبان لنا عمود الكلام لجمعنا تحت راية واحدة وكلمة سواء."[1]

"میں نے دیکھا کہ تاویل کا بیشتر اختلاف اس بات کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا۔ اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورت کا عمود یعنی مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا، بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے اور ایک کلمہ پر جمع ہو جاتے۔"

گویا مولانا کے ہاں فہم قرآن کے سلسلہ میں تاویلات کا دروازہ کھلنے کی وجہ ہی نظم قرآنی کی رعایت نہ کرنا ہے۔ اور اگر آئندہ اس کا خیال کر لیا جائے گا تو اس کا سدباب کرنا ممکن ہو جائے گا۔

مولانا کا خیال ہے کہ فہم کلام کے لیے نظم کلام ضروری ہے۔ متکلم نے جس مقصد کے لیے اپنے کلام اور اسلوب بیان کو ذریعہ بنایا ہے اس سے اس وقت تک واقف نہیں ہوا جا سکتا جب تک کلام کے مختلف حصّوں کا اجمالی تعلّق معلوم نہ ہو۔ ایک جملہ دوسرے متّصل جملہ سے کئی اعتبارات سے مربوط سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے موقع پر جو شخص جملوں کا صحیح ربط نہیں سمجھ سکتا، اس کو متعین کرنے میں غلطی کر دیتا ہے تو وہ اصل مفہوم کھو دیتا ہے اور کلام میں جو علم و حکمت پائی جاتی ہے اس پر وہ مطلع نہیں ہو سکتا۔

اس کی مزید وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وبالجملة محال أن تفهم كلاما من دون أن تعلم نسبة بعضها إلى بعض. فإن أخذت كل جزء طويل على حدته، غاب عنك بعض معانيه. ثم إن قصرت عن فهم نسبة أجزاء هذا الجزء، غابَ عنك طرف آخر. حتى إنك تنقص من فهمك شيئًا فشيئًا، بقدر ما تقصر عن فهم النّسب التي بين أجزائه، فإذا تبيّن لك هذه النّسب والرّوابط بين أجزائه ورأيت أنه

1 الفراهي، حميد الدين، أبو أحمد عبد الحميد الأنصاري، تفسير نظام القرآن وتأويل الفرقان في الفرقان: ص17، الدائرة الحميدية، مدرسة الإصلاح، سرائي مير، أعظم كره، الطبعة الأولى،2008م

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كلام مربوط، مسوق إلى عموده، ظهر حسن بيانه."[1]

"یہ بات محال ہے کہ تم کلام کے مختلف حصوں کا تعلّق جانے بغیر کلام کو سمجھ لوگے کیونکہ جب تم اس کے ایک طویل حصہ پر غور کروگے تو اس کا کچھ مفہوم ذہن سے اُتر جائے گا۔ پھر جب ایک حصہ کے اجزاء کا تعلّق سمجھنا چاہوگے تو دوسری طرف کے کئی پہلو نظر انداز ہو جائیں گے۔ اس طرح اجزائے کلام کی جتنی نسبتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی، اس کے بقدر تم کلام کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اگر یہ نسبتیں تم سمجھ جاؤ اور دیکھ لو کہ وہ عبارت بالکل مربوط کلام ہے جو ایک ہی مضمون کو حامل ہے تو اس کا حسن بیان تم پر ظاہر ہو جائے گا۔"

اعجاز قرآن اور نظم

قرآن کریم ایک معجزانہ کلام ہے۔ اور مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا اعجاز، نظم اور حسن ترتیب میں پنہاں ہے۔ ان کے نزدیک اس کا کلام الٰہی ہونا ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں کمال حسن ترتیب ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی صاحب عقل اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اپنا منتشر اور غیر مربوط کلام قارئین کے درمیان نقد و جرح کے لیے چھوڑ دے اور اس کی تصحیح و تنقیح پر کوئی توجہ نہ دے۔ خالق کائنات کا کلام تو فصاحت و بلاغت کے لیے اس قوم کے لیے معجزہ قرار پایا جو زبان آوری اور بلاغت میں معروف تھی اور اس نے بار بار اس کلام کو پڑھا۔ کسی چیز کا حسن و منفعت رسانی اس کے تناسب و تنظیم پر منحصر ہے، خاص طور سے فصیح و بلیغ کلام اس کے بغیر ادبیت کا نمونہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کلام الٰہی نے عرب کی اس فصیح اللّسان قوم سے قرآنی کلام کے مثل کوئی کلام لانے کا مطالبہ کیا، خواہ وہ ایک سورت ہی ہو، تو اس صورت میں کوئی مسلمان یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہے کہ یہ معجزاتی کلام حسنِ نظم سے خالی ہے؟

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے افضل اور پائندہ تر، مضبوط ترین اور واضح ترین دلیل قرآن مجید ہے۔ ہم یہ بات بالبداہت جانتے ہیں کہ حسن ترتیب ایک بلیغ کلام کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ہم قرآن کے معجزہ ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ پس کیا ہم یہ پسند کریں گے کہ قرآن کو حسن و ترتیب سے عاری قرار دیں؟ ہم اس کے معانی کے ربط اور اس کے لوازم اور اس کی ترتیب کی پختگی میں غور و فکر کرنے کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہم کسی بھی عقل مند و پختہ کار آدمی کے کلام کو ترتیب سے عاری کر کے خوش نہیں ہو سکتے؟ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک قادر الکلام خطیب جو فن بلاغت کو استعمال میں لاتا اور حسن بیان سے لوگوں کو فریفتہ کر لیتا ہے، کی قدر تمہارے دل سے اس لئے اٹھ جاتی ہے کہ اس نے ربط کلام سے غفلت برتی اور

1 دلائل النظام: ص16

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وادی سے دوسری وادی میں بھٹکنے لگ گیا۔ وہ چاہے اپنے خطاب کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینے کے لئے معذور ہو کہ وہ خطاب پر مکمل غور و فکر نہ کر سکا ہو مگر یہ رد عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ایک بلیغ کلام، سوئے ترتیب کو ہر گز برداشت نہیں کرتا۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو اعجاز قرآن پر یقین رکھنے والے آدمی کی کیا یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ قرآن کے نظام کے حسن اور اس کی ترتیب کی پختگی کو ثابت کرے۔"[1]

نظم قرآن اور حکمت قرآن

نبی ﷺ کو خدا نے جس طرح احکام کی تعلیم کے لیے بھیجا اسی طرح حکمت کی تعلیم کے لیے بھی مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو حکمت کے ساتھ مربوط فرمایا اور اسے 'خیر کثیر' کا نام دیا ہے۔ جو شخص اس حکمت سے غافل ہو جائے وہ نبی ﷺ کی بعثت کے مقصد، اپنے دین کی تکمیل اور نبی ﷺ کی تعلیم کو نظر انداز کرتا ہے اور حضور ﷺ کا قرار واقعی اتباع نہیں کرتا۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکمت سے مراد کیا ہے؟ اور کیا قرآن ہی کا ایک جز ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ بہت اکابرین امت 'حکمت' سے مراد 'حدیث' لیتے ہیں۔ جو لوگ 'حکمت' سے مراد 'حدیث' لیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حکمت کا لفظ قرآن میں کتاب کے لفظ کے ساتھ آیا ہے:

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾[2]

"اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور تمہیں وہ چیز سکھائی جسے تم نہیں جانتے تھے۔"

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کا اس ضمن میں کہنا ہے کہ لوگ قرآنِ مجید باعتبار مجموعی مراد لیتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ حکمت سے کوئی اور چیز مراد لیں اور قرآن کے بعد ظاہر ہے کہ حدیث کے سوا کوئی دوسری چیز اس لفظ کا مدلول نہیں بن سکتی جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے۔ مختلف وجوہ اور قرائن اس کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

متعدد آیات میں حکمت کے لیے یُتْلٰی، اَنْزَلَ اور اَوْحٰی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کا استعمال حدیث کے لیے قرآن میں کہیں نہیں ہوا ہے۔ مثلاً

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾[3]

"اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور تمہیں وہ چیز سکھائی جسے تم نہیں جانتے تھے۔"

دوسری جگہ ہے: ﴿وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾[4] "تمہارے گھروں میں اللہ کی

---

1 دلائل النظام: ص39
2 النساء4: 113
3 النساء4: 113
4 الاحزاب33: 34

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔" ایک اور مقام پر دین کی اصولی باتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾[1] "یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت میں سے تمہاری طرف وحی کی ہیں۔"

اسی طرح مختلف مواقع پر قرآنِ مجید کے دلائل و براہین کو حکمت بالغہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود قرآن کو قرآن حکیم اور کتاب حکیم وغیرہ کہا گیا ہے۔ مثلاً ﴿ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ ﴾[2] 'دل نشیں حکمت' اور ﴿ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴾[3] 'شاہد ہے پر حکمت قرآن، اس کے علاوہ چند اور ادلہ کے ذکر کے بعد مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"ان وجوہ کی بنا پر حکمت سے صرف حدیث کو مراد لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے، بلکہ حدیث حکمت میں شامل ہے۔ یہ غلط فہمی کتاب اور حکمت، دونوں لفظوں کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، لیکن ہم نے جو پہلو واضح کیے ہیں ان کی روشنی میں دونوں کے حدود الگ الگ ہو جاتے، جسکے بعد یہ غلط فہمی باقی نہیں رہتی۔"[4]

نظم قرآن اور اربابِ علم کی آراء

علم نظم قرآن کی اہمیت و افادیت کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ بعض اہل علم اس کی افادیت کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا، جب کہ بعض اسے تکلف محض سے تعبیر کرتے ہیں اور نظم قرآن کے ایک نمایاں مخالف اور ناقد ہیں۔ ذیل میں دونوں نقطہ ہائے نگاہ کے حاملین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مخالفین نظم قرآن

عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 659ھ) لکھتے ہیں:

"مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر کلام کے اور ارتباط کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی ساخت کا حامل ہو جس میں وحدت ہو اور اس کا اول و آخر مربوط ہو۔ اگر کلام مختلف اسباب پر مشتمل ہو تو اس میں باہم ربط نہ ہو گا۔ جو شخص ایسے کلام کو مربوط بنانے کی کوشش کرے گا وہ تکلف و تصنع کا سہارا لینے پر مجبور ہو گا اور ایسے ربط کی تلاش میں جس پر اسے قدرت نہ ہو گی سر کھپائے گا جو رکیک اور کمزور ہو گا جس سے ہر اچھا کلام چہ جائیکہ وہ بہترین کلام ہو، محفوظ ہوتا ہے۔ قرآن پاک کا نزول بیس سال سے زائد عرصہ میں ہوا اور یہ آیات مختلف اسباب کے تحت

1 الاسراء 17: 39
2 القمر 54: 5
3 یاسین 36: 2
4 اصلاحی، مولانا امین احسن، مبادی تدبر حدیث: ص 110-113، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع سوم، 2000ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف احکام لیکر نازل ہوئیں۔ جس کلام کا حال یہ ہو، وہ باہم دگر مربوط کیسے ہو سکتا ہے؟"[1]

ماضی قریب کے مشہور مفسر امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1250ھ) نے بھی نظم قرآن کی تلاش کو لایعنی اور وقت کا ضیاع قرار دیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت (40) کے تحت فرماتے ہیں:

"جان لو کہ بہت سے مفسرین نے ایک زحمت طلب علم دریافت کیا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے جس میں تیرنے کے وہ مکلف نہیں بنائے گئے۔ انہوں نے ایک ایسے فن میں اپنے اوقات صرف کیے جو ان کے لیے قطعی سود مند نہیں تھے، بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو ایسی مجرد رائے اور گمان سے کام لینے پر مجبور کیا جو کتاب الٰہی کے معاملات میں بالکل ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے ترتیب کے مطابق قرآنی آیات کی تنظیم کے درمیان مناسبت کا التزام کیا ہے اور اس راہ میں ایسے تکلفات اور اس قدر تصنع سے انہیں کام لینا پڑا ہے کہ حق وانصاف پناہ مانگتے ہیں۔ کلام اللہ تو دور کی بات ماہرین بلاغت کا کام بھی ایسے تکلفات سے مبرا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس موضوع پر علیحدہ سے کتابیں تصنیف کی ہیں اور مناسبت کو تالیف کا اہم ترین مقصد قرار دیا ہے، جیسا کہ بقاعی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔"[2]

اسی طرح وہ تمام مفسرین بھی بالواسطہ اسی رائے کے قائل تھے جنہوں نے اپنی تفاسیر میں نظم قرآن کے حوالے سے کوئی بحث نہیں کی اس لحاظ سے مفسرین کی بڑی تعداد اسی زمرے میں آتی ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

"رأيت جمهور المفسرين معرضين عن هذه اللطائف"[3]

"میں نے جمہور مفسرین کو دیکھا ہے کہ وہ اس قسم کے لطائف سے اعراض کرتے ہیں۔"

اسی طرح امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وهذا النوع يجمله بعض المفسرين أو كثير منهم و فوائده عزيره"

"مفسرین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس علم کی اہمیت کو نظر انداز کرتی ہے حالانکہ اس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں۔"[4]

1 الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن جمال الدين، البرهان في علوم القرآن: 1/37، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى، 1990م

2 الشوكاني، محمد بن علي، فتح القدير الجامع بين فني الرّواية والدّراية من علم التفسير: 1/109، دار المعرفة، بيروت، 1995م

3 السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن، الإتقان في علوم القرآن: 2/289، دار الحديث، القاهرة، 2004م

4 البرهان: 1/36

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائلین نظم قرآن

اس کے برعکس اس کے قائلین بھی موجود ہیں، ان میں سے ایک تو امام بقاعی ہیں، جنہوں نے اسے مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر "نظم الدرر في تناسب الآ يات والسور" لکھی۔ اسی طرح اس کے ایک حامی ابو جعفر بن زبیر بھی ہیں جنہوں نے "البرهان في مناسبة ترتيب سور القرآن" کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل تھے، آپ لکھتے ہیں:

"وكتابي الذي صنعته في أسرار التنزيل كافل بذلك جامع لمناسبات السور والآيات مع ما تضمنه من بيان وجوه الاعجاز وأساليب البلاغة وقد لخصت منه مناسبات السور خاصته في جزء لطيف سميته: تناسق الدرر في تناسب السور."[1]

"میری وہ کتاب جسے میں نے قرآن مجید کے اسرار و رموز کے حوالے سے مرتب کیا ہے وہ اس سلسلہ میں مدد گار ہے، اس میں آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط و نظم کے ساتھ ساتھ قرآن کے وجوہ اعجاز اور اسالیب بلاغت کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سے سورتوں کے باہمی نظم کے حصہ کی تلخیص کر کے میں نے اسے الگ کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام میں نے "ناسق الدرر في تناسب السور" رکھا ہے۔"

ابو الحسن الشہر ابانی فرماتے ہیں:

"أول من أظهر ببغداد علم المناسبة ولم نكن سمعناه من غيره هو الشّيخ الإمام أبو بكر النيسابوري وكان غزير العلم في الشريعة والأدب وكان يقول على الكرسي إذا قرئ عليه الآية لم جعلت هذه الآية إلى جنب هذه؟ وما الحكمة في جعل هذه السورة إلى جنب هذه السورة؟ وكان يزري على علماء بغداد لعدم علمهم بالمناسبة."[2]

"پہلے شخص جنہوں نے بغداد میں علم مناسبت (نظم) کو ظاہر کیا وہ ابو بکر نیشاپوری ہیں۔ فقہ و ادب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔ ان کے لئے منبر رکھا جاتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ قرآن کی آیتوں کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی اور فلاں سورت کو فلاں سورت کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے۔ اور علمائے بغداد کی تنقیص کرتے تھے کہ وہ علم نظم سے محروم ہیں۔"

نظم قرآن اور جمہور مفسرین

مذکورہ تمہید سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جمہور مفسرین نے نظم قرآن کو بے فائدہ یا کم از کم غیر اہم سمجھا ہے۔ نیز متقدمین میں سے جنہوں نے نظم و مناسبت کے علم کی اہمیت و افادیت پر بات کی ہے انہوں نے اسے

---

1 الإتقان: 2/216

2 البرهان: 1/36

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوائد اور نکات کی قبیل سے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"وهذا النوع يهمله بعض المفسرين أو كثيرهم وفوائده غزيزة."[1]

"مفسرین کی ایک بڑی جماعت میں سے جو اس علم نظم کی اہمیت کو نظر انداز کرتی ہے، حالانکہ اس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں۔"

علوم قرآن پر لکھی گئی جامع کتابوں میں بھی نظم قرآن کو اصول تفسیر، شرائط تفسیر یا مفسر کی شروط میں شمار نہیں کیا گیا۔ جمہور اہل سنت نے اصول تفسیر میں جن چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے وہ یہ ہیں:

1۔ قرآن 2۔ حدیث 3۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم 4۔ اقوال تابعین رحمۃ اللہ علیہم

5۔ اسرائیلی روایات (کچھ شروط کے ساتھ) 6۔ لغت عربی (کچھ شروط کے ساتھ)

نظم قرآن کو اس میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ معتبر تفاسیر میں انہی اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، جیسا کہ سطور ذیل سے معلوم ہو گا۔

① تفسیر بالماثور میں سب سے مشہور تفسیر طبری ہے۔ امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 310ھ) کے اسلوب کو دیکھنے سے بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ قرآن کی تفسیر قرآن سے پھر حدیث سے، پھر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے، پھر اقوال تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے اور پھر لغت وغیرہ سے کرتے تھے، ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری کی تفسیر میں آپ نے سب سے پہلے تفسیر کے سلسلے میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

"ويذكر أن ذلك في قراء عبد الله وقد تب وفي دخول قد فيه دلالة على أنه خبر."[2]

"بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا ابن مسعودؓ کی قراءت میں وقد تب تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ خبریہ ہے۔"

یہ بات تو مسلم ہے کہ قراءت کے ذریعے کوئی معنی متعین کرنا تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔

اس کے بعد چونکہ بر موقع کوئی مرفوع روایت نہ تھی لہٰذا اقوال تابعین رحمۃ اللہ علیہم پیش کیے ہیں، اس کے بعد سبب نزول بیان کر کے اس پر روشنی ڈالی ہے، لیکن نظم قرآن کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔

② امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 774ھ) کا تو مشہور اسلوب ہے کہ وہ تفسیر کرتے وقت زیر تفسیر آیت سے ملتی جلتی بہت سی آیات پیش کر کے تفسیر کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اصول تفسیر میں ان کے ہاں بھی حدیث نبوی ہے، مثلاً مذکورہ مثال ہی کے تحت ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ آیات لکھ کر اس کے بعد آپ نے بسند

1 البرهان: 36/1

2 الطبري إمام، أبو جعفر، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير، جامع البيان في تأويل القرآن: 733/12، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، 2000 م

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح بخاری کی حدیث نقل کی ہے۔ پھر اقوال صحابہ و تابعین کا ذکر کیا ہے۔ اس کے برعکس نظم قرآن سے کوئی استدلال نہیں کیا۔ یہی انداز دوسرے بہت سے مفسرین نے بھی اپنایا ہے۔

اصول تفسیر پر لکھی گئی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی یہی صورت حال نظر آتی ہے کہ تفسیر قرآن کے اسالیب میں نظم قرآن کا تذکرہ موجود نہیں ہے، جیسا کہ ذیل کی سطور سے واضح ہو گا۔

③ اُصول تفسیر پر پہلی مستقل تصنیف امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 728ھ) کی کتاب "مقدمة في أصول التفسير" ہے۔ اس میں آپ تفسیر کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإن قال قائل فما أحسن طرق التفسير؟ فالجواب أن أصح الطرق في ذلك أن تفسر القرآن بالقرآن. فإن أعياك ذلك فعليك بالسنة ... وإذا لم نجد التفسير في القرآن ولا في السنة رجعنا في ذلك إلى أقوال الصّحابة ... إذا لم تجد التفسير في القرآن ولا في السنة ولا وجدته عن الصحابة فقد رجع كثير من الأئمة في ذلك إلى أقوال التابعين ... فإن اختلفوا فلا يكو ن قول بعضهم على بعض ولا على من بعدهم ويرجع في ذلك إلى لغة القرآن والسّنة أو عموم لغة العرب."[1]

"جب کوئی یہ پوچھے کہ تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اگر قرآن وحدیث دونوں سے نہ ملے، تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا ہو گا، اگر قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سب میں نہ مل پائے تو اکثر ائمہ کرام کے نزدیک اقوال تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر تابعین کا اختلاف ہو، تو ان کی بات دوسرے تابعین یا بعد والوں پر حجت نہ ہو گی، بلکہ اس بارے میں لغت قرآن وحدیث یا تمام عربوں کی لغت کو دیکھا جائے گا۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل تصنیف ہی اصول تفسیر پر کی ہے، لیکن اس میں کہیں نظم قرآن کو جگہ نہیں دی۔

④ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"للناظر في القرآن لطلب التفسير مآخذ كثيرة، أمهاتها أربعة: الأول: النقل عن النبي ﷺ. الثاني: الأخذ بقول الصحابي. الثالث: الأ خذ بمطلق اللغة. الرّابع: التفسير بالمتضى من معنى الكلام والمقتضب من قوة الشرع."[2]

" تفسیر کی جستجو کی غرض سے قرآن میں غور کرنے والے شخص کے لئے بکثرت ماخذ پائے جاتے ہیں، ان میں سے چار ماخذ اصل صول ہیں: 1۔ نبی ﷺ سے نقل کا پایا جانا۔ 2۔ صحابی سے قول اخذ کرنا۔ 3۔ مطلق لغت کو ماخذ بنانا 4۔ وہ تفسیر جو کہ کلام کے معنٰی کے مقتضی سے اور قوت شرع سے اخذ کی گئی رائے سے کی جائے۔"

1 ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، مقدّمة في أصول التفسير: ص29 - 35، المكتبة العلمية، لاهور

2 البرهان: 2/156

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

⑤ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قال العلماء: من أراد تفسير الكتاب العزيز، طلبه أولا من القرآن ... فإن أعياه ذلك طلبه من السنة ... فإن لم يجده في السّنة رجع إلى أقوال الصحابة ... فإن لم يجد عن أحد من الصحابة رجع إلى أقوال التابعين. "[1]

" علما کا کہنا ہے کہ جو قرآن عزیز کی تفسیر کرنا چاہتا ہو، تو پہلے قرآن سے تلاش کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو سنت سے، اگر سنت سے بھی نہ ملے، تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرے اور اگر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی نہ ملے تو تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کو لے۔"

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خود سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نظم قرآن کے فوائد کے قائل ہیں، لیکن انہوں نے اسے صرف زائد علوم اور نکات و فوائد میں شمار کیا ہے، اُصول تفسیر میں جگہ نہیں دی۔

متاخرین میں محمد عبد العظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1367ھ) نے "العلوم التي يحتاجها المفسّر" کے عنوان سے پانچ علوم کا ذکر کیا ہے، لیکن ان علوم میں بھی نظم قرآن کا علم شامل نہیں کیا۔[2]

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1397ھ) نے مفسر کے لیے ضروری، علوم کے عنوان کے تحت تقریباً 15 علوم کی فہرست تیار کی ہے لیکن ان میں علم نظم قرآن موجود نہیں ہے۔[3]

حاصل کلام

علمائے تفسیر نے علم نظم قرآن کو اصول تفسیر تو کجا تفسیر کے لیے ضروری علوم میں بھی شمار نہیں کیا، اب واضح ہے کہ اس کے ذریعے تفسیر 'تفسیر بالرائے' ہو گی اور تفسیر بالرائے، جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ اگر شرائط وضوابط کے مطابق ہو (مثلاً تفسیر بالماثور کے موافق ہو وغیرہ) تو محمود و گرنہ مذموم ہوتی ہے۔

"فمن فسر القرآن برأيه أي باجتهاده ملتزما الوقوف عند هذه ا لمآخذ معتمدا عليها فيما يرى من معاني كتاب الله كان تفسيره سائغا جائزا خليقا بأن يسمى التفسير الجائز أو التفسير المحمود ومن حاد عن هذه الأصول وفسّر القرآن غير معتمد عليها كان تفسيره ساقطا مرذولا خليقا بأن يسمى التفسير غير الجائز أو التفسير المذموم. فالتفسير بالرأي الجائز يجب أن يلاحظ فيه الاعتماد على ما نقل عن الرسول ﷺ وأصحابه مما ينير السبيل

1 الإتقان: 2/467

2 الزرقاني، محمد عبد العظيم، مناهل العرفان في علوم القرآن: 2/51، مطبعة عيسى البابي الحلبي، مصر

3 الذهبي، محمد حسين، التّفسير والمفسّرون: 4/44، دار الكتب الحديثة، مصر، الطبعة الثانية،1976م

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

للمفسر برأيه .... "[1]

"جو شخص قرآن کی تفسیر اپنے رائے سے کرتا ہے لیکن اس طرح کہ ان چاروں ماخذوں (تفسیر بالماثور کے اصولوں) کو ساتھ رکھتا ہے اور ان سے قرآنی معانی کا استنباط کرتا ہے تو اس کی تفسیر جائز ہوگی اور اس قابل ہوگی کہ اس کا نام تفسیر بالرائے جائز و محمود رکھا جائے۔ اور جو شخص ان اصولوں سے انحراف کر کے تفسیر کرے تو اس کی تفسیر ساقط و مردود ہوگی اور اس کا نام تفسیر بالرائے مذموم و غیر جائز رکھنا ہی صحیح ہے۔"

چنانچہ تفسیر بالرائے محمود میں مفسر کے لیے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے منقول آثار پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ یہ اصول تفسیر بالرائے کرنے والے کے لیے راہ کو روشن کرتی ہیں۔

اس کے برعکس مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر قرآن کے اصولوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ بنیادی اصول۔ 2۔ ترجیح کے اصول۔ 3۔ غلط اصول

پھر بنیادی اُصول کے تحت چار اصول پیش کئے ہیں: 1۔ نظم کلام اور سیاق و سباق کا لحاظ۔ 2۔ نظائر قرآن کی روشنی میں مفہوم کا تعین۔ 3۔ کلام میں مخاطب کا صحیح تعین۔ 4۔ الفاظ کے شاذ معانی کا ترک

پھر ان میں سے پہلے اصول کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ اصول بنیادی اس لئے ہے کہ کوئی بھی کلام ایسے مفہوم کا متحمل نہیں ہو سکتا جو اس کے نظام کے مخالف اور اس کے معانی کو غیر مربوط کرنے والا ہو۔ ربط کلام تو ہر عاقل کے کلام کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا معجز کلام اس خصوصیت سے خالی کیسے ہو سکتا ہے؟ تفسیر کا یہ اصول نہایت واضح تھا، لیکن بعض منحرف لوگوں نے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی اور بعض حدیثیں ایسی گھڑ دیں جن کے باعث ناپختہ عقل رکھنے والے صالح اہل ایمان بھی فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔"[2]

ایک جگہ غلط اصول کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"قرآن کی تاویل حدیث کی روشنی میں کرنا جب کہ حدیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں ہونی چاہیے۔"[3]

پھر ایک مثال بیان کر کے لکھتے ہیں:

"یہیں ایک چیز پر خطر اور صحیح بات سے پھسلانے والی بھی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کی بات کو اچھی طرح سمجھنے سے پہلے اگر تم حدیث پر پل پڑو گے جس میں صحیح اور سقیم دونوں طرح کی احادیث ہوں تو تمہارا دل ایسی راویات میں

1 مناهل العرفان:2/50

2 الفراهي، حميد الدين أبو أحمد عبد الحميد الأنصاري، التكميل في أصول التأويل: ص52، الدائرة الحميدية، مدرسة الإصلاح، سرائي مير، أعظم كره، 1388هـ

3 التكميل:ص65

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹک سکتا ہے جن کی قرآن میں کوئی اساس نہ ہو اور کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے برعکس بھی ہوں۔ اس کے نتیجہ میں تم قرآن کی تاویل میں اعتماد حدیث پر کروگے اور تم پر حق و باطل گڈمڈ ہو جائیں گے۔ پس سیدھا راستہ یہ ہے کہ تم قرآن سے ہدایت پاؤ۔ اس پر اپنے دین کی نبیاد رکھو، اس کے بعد احادیث پر نگاہ ڈالو۔ اگر کوئی حدیث بادی النظر میں قرآن سے ہٹی ہوئی ہو تو اس کی تاویل کلام اللہ کی روشنی میں کرو۔ اگر دونوں میں مطابقت کی کوئی صورت نکل آئے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اگر اس میں ناکامی ہو تو حدیث کے معاملہ میں توقّف کرو اور قرآن پر عمل کرو۔"[1]

نیز لکھتے ہیں:

"بعض ماخذ اصل و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض فرع کی۔ اصل و اساس کی حیثیت تو صرف قرآن کو حاصل ہے اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں:

"1۔ احادیث۔ 2۔ قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات۔ 3۔ گزشتہ انبیاء کے صحیفے جو محفوظ ہیں۔"[2]

ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں:

"احادیث و روایات کے ذخیرہ سے صرف وہی چیزیں چنی جائیں جو نظم قرآن کی تائید کریں، نہ کہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیں۔"[3]

مزید لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک سب سے زیادہ بے خطر راہ یہ ہے کہ استنباط کی باگ قرآن کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اس کا نظم و سیاق جس طرف اشارہ کرے اسی طرف چلنا چاہیے۔"[4]

لیکن سطور بالا میں پیش کردہ اربابِ تفسیر کے بیانات سے مولانا فراہیؒ کے ان نظریات کی کمزوری عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات قرآنی کے نظم کے سلسلہ میں مولانا راہِ افراط و غلو پر گامزن ہیں، جو لائق استحسان نہیں ہے۔

1 التکمیل: ص65
2 تفسیر نظام القرآن، فاتحہ نظام القرآن: ص28
3 ایضاً: ص27
4 تفسیر نظام القرآن: ص528

© rasailojaraid.com